

تمہارے

رات کے ڈھائی بجے داؤد اپنی بیوی بائیک کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ گارڈ نے گیٹ کے کیبن کی چھوٹی کھڑکی کھول کر اسے دیکھا۔ داؤد نے صرف اشارہ کیا کہ گیٹ نہ کھولے، موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ نمبر ملا رہا تھا۔ وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی یا تو سوتی نہیں تھی یا اتنی گہری نیند۔

”اب کیوں فون۔“ ناراض انداز۔

”ٹیس پر آؤ۔“

”کیوں۔“

”نا نہیں۔“

بکھرے بالوں میں ہاتھ گھماتی وہ کمرے سے ٹیس پر آئی اور موبائل ہاتھ سے گر گیا۔

”تم۔“ چیخ ماری، انگلی سے سڑک پر کھڑے اس

ناؤلیٹ

کی طرف اشارہ کیا۔ گارڈ نے اس بار گردن گھر کی طرف نکال کر اوپر ٹیس پر اسے دیکھا۔ داؤد نے ہاتھ ہلایا۔ رد اکمرے سے بھاگتی آئی، جھٹ گیٹ کھول کر باہر نکلی۔

”تم۔“ وہ اس کے قریب آکر پھر چلائی۔

”صرف میں۔ اور کون۔“ داؤد نے منہ اس کے

کان کے قریب لا کر سرگوشی کی۔

”اس وقت۔ ایسے۔“ وہ دونوں سڑک پر اکیلے

کھڑے تھے۔ گیٹ کھلا تھا اور گارڈ نے گردن اندر کر لی تھی۔

”تم ناراض تھیں۔“

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر حیران ہوئی پھر ہنسنے لگی۔ اب

کیسی ناراضی وہ آؤ گیا تھا۔



”شہر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔“ اسے سراہا نہیں کہ وہ آگیا ہے۔
 ”اس دل کے لکھی۔“ وہ بانیگ پر بیٹھ گیا۔
 ”اب جا بھی رہے ہو۔“ وہ خفا ہوئی۔
 ”کل پھر آؤں گا۔“ داؤد مسکرایا۔

”اندر آ جاؤ۔“
 ”کل دن میں۔۔۔ کھانا تمہارے ساتھ۔“ اس نے بانیگ اشارت کی اور ردا کے گال کو ایک انگلی سے چھو کر چلا گیا۔

کل کا سارا دن وہ رائیڈر گینگ کے ساتھ کرتب دکھاتا رہا تھا۔ وہ منہ اندھیرے نکلے تھے اور آدھا پنجاب گھوم آئے تھے۔ شام کو اسے ردا کے منہ بنائے خفا خفا مسیحوز آئے۔ اس نے سارا دن اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ اس کی ہیوی بانیگ کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ کہاں وہ اسی بانیگ پر سارا دن گزار چکا تھا۔ واپسی پر داؤد نے اسے فون کیا۔ لیکن اب وہ کیوں اٹھائے فون گھر آتے ہی وہ سو گیا۔ پھر خواب میں بھی اسے سر کیس۔ ہوا۔ بانیگ۔ درخت۔ میدان۔ سب ناراض ناراض دکھائی دیے تو وہ اٹھ بیٹھا۔ بانیگ نکالی اور آگیا اس کے گھر کے باہر۔

اگلے دن دوپہر تک اس کے گھر رہا اور رات ایک بجے کے قریب پھر اس کے گھر کے باہر پہنچ گیا۔ ردا ٹیرس پر کھڑی پیٹ پر ہاتھ رکھتی کبھی منہ پرستہ ہستی ہی جارہی تھی۔ اسے داؤد کی رات کو آنے والی ادا بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ ایک عرصہ نیویارک رہ کر آئی تھی۔ قریب قریب کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ کر رہا تھا تو اسے بہت پیارا لگ رہا تھا۔

گارڈ جھانک جھانک دونوں کو ایک ایک نظر دیکھتا زیر لب ہنستا۔ وہ بانیگ کے ساتھ ٹک کر ٹانگ پر ٹانگ جمائے گھڑا سینے پر ہاتھ باندھے عین ٹیرس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی کھڑی اسے دیکھ گئی۔ دونوں کچھ دیر ایسے ہی دیکھتے رہے۔ پھر وہ ہاتھ ہلا کر چلا گیا۔ ردا البتہ کالی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔

مسکراہٹ ہونٹوں سے وجود میں پھیل چکی تھی۔ یہ محبت کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اتنے دلربا انداز سے سجایا جائے بنایا جائے اور دل سے لگا کر رکھا جائے جو محبت قریب قریب آتی آپ میں سما جائے اور بے خود سا کر دے۔

چند مہینوں میں ان کی شادی ہونے والی ہے۔ داؤد آسٹریلیا سے اکاؤنٹس پڑھ کر آیا ہے۔ ایم فل کے لیے اسے پھر جانا ہے۔ لیکن شادی کے بعد۔۔۔ ردا نیویارک سے انٹریئر ڈیزائنر بن کر آئی ہے۔ دونوں آگے پیچھے

ہی پاکستان آئے ہیں۔ ادھر ادھر کے دوسرے ملکوں میں پھیلے دونوں کے بہن، بھائی بھی آنے ہی والے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے شادی تین یا چار ماہ بعد ہے۔

اب ان تفریحی دنوں میں دونوں طرح طرح کے تماشے کرتے ہیں۔ کبھی منہ اندھیرے ردا اس کے کمرے کا دروازہ پیٹنے لگتی۔ کبھی رات گئے داؤد اس کے گھر آکر اس کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑانے لگتا۔ اسے کالی بنانے کا کتا اور چپکے سے غائب ہو جاتا۔ وہ کافی کے دونوں مک بی کر سوجاتی۔۔۔۔۔ مسکراتی۔۔۔

غصہ نہیں کرتی ناراض بھی بس ایسے ہی ہو جاتی ہے جیسے کہ ناراضی بھی صرف ایک رنگ ہے۔ جسے ان کی لواسٹوری میں ہونا ہی ہے تھوڑا سا ہی سہی۔ دونوں کے خاندان خوش ہیں وہ دونوں بھی بہت خوش ہیں۔

ردا کو ہیوی بانیگ سے ڈر لگتا ہے۔ چھپکلی کو ہاتھ میں پکڑنے کے لیے تیار ہے۔ اس پر بیٹھنے کے لیے نہیں اور داؤد اسی پر اسے رخصت کر کے لے جانا چاہتا ہے۔ دلہن بنائے پھر ردا بھی چاہتی ہے کہ وہ رکنے پر بارات اور باراتی لائے۔ داؤد ٹرک کا انتظام کے جارہا ہے۔ ان دو گھروں میں ہر روز نئے نئے قمقمے گونجتے ہیں، لطیفے بنتے ہیں، بگڑتے ہیں، شادی نہیں ڈرا کرنا چاہتے ہیں، ہلاک ہسٹو ڈراما، جس میں ہر رنگ و نسل کا رنگ چھوٹے اور ہر پٹا پھوٹے۔۔۔ وہ اپنی شادی کے لیے خوش ہوں لوگ ان کی شادی میں شرکت کرنے سے خوش ہوں بس سب خوش ہی ہوں۔

دو بھائیوں کے بعد گھر میں پہلی لڑکی کی شادی ہو رہی ہے اور وہاں تین بہن بھائیوں کے بعد گھر کی آخری شادی ہو رہی ہے داؤد کی۔ پہلی لڑکی اور آخری لڑکے کی شادی کا انتظام دھوم دھام سے چل رہا ہے۔ ایک کی ماما اور دوسرے کی ماما انتظامات میں لگی ہیں اور یہ دونوں اپنے اپنے ڈراموں میں جتے ہیں۔ کھسی ہوئی جینز اور جو کرز پہنے۔ ایم ایم عالم روڈ سے پیدل چلنا شروع ہوتے ہیں اور دن سے شام اور شام سے رات کرتے۔ گوال منڈی کے ہر ہر چھوٹے بڑے ہوٹل میں اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ چوک پر رک رک ریڑھیوں، ٹھیلوں سے چیزیں کھاتے اور بنا پیسے دیے بھاگ جاتے، کوئی ایک ان کے پیچھے دوڑتا، اسے خوب گھماتے، پھر اچانک سامنے آکر پیسے ہاتھ میں پکڑا دیتے۔ یہی حال ہوٹل والوں کے ساتھ کرتے، ہوٹل والے ان کی شکلیں پہچانے لگے تھے۔ پہلے ہی پیسے رکھوا لیتے۔ اس لیے بھی وہ بار بار ہوٹل بدلتے۔ اتنا عرصہ باہر رہ کر انہیں اپنے ملک سے اور پیار ہو گیا تھا۔ داؤد کو پکڑی والے۔۔۔ ریڑھی والے۔۔۔ رکشوں و کانوں ہوٹلوں والے بہت اچھے لگتے، رک رک کر ان سے گھنٹوں باتیں کرتے۔ حال احوال پوچھتا۔۔۔ خاندان تک جا پہنچتا۔۔۔ ادھر ادھر کی بہت سی باتیں ایسے کرنے لگتا جیسے پردیس سے آنے کے بعد سیدھا ان ہی سے ملنے آیا ہے۔ وہاں اتنا یاد کرتا رہا انہیں۔ ان ہی کی فکر میں رہا۔ اب جا کر کہیں ملا انہیں، ردا اس کے اتنے رشتے داروں پر ہنسی جو چلتے پھرتے اس نے بنا لیے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ ان سب کو وہ شادی پر ضرور بلائے اور داؤد سوچتا تھا کہ خیال برا نہیں ہے۔

دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متفق ہی تھے۔ تقریباً کوئی ایسا اختلاف نہیں بنے دیتے تھے۔ دونوں اگر ایک دوسرے میں کچھ ناپسند بھی کرتے تھے تو وہ اتنا وقتی اور معمولی ہوتا کہ تذکرہ کرنا بھی مذاق لگتا، وقت کے ساتھ ساتھ دوستی، محبت بنی تھی وقت کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ فرصت سے

دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متفق ہی تھے۔ تقریباً کوئی ایسا اختلاف نہیں بنے دیتے تھے۔

دونوں اگر ایک دوسرے میں کچھ ناپسند بھی کرتے تھے تو وہ اتنا وقتی اور معمولی ہوتا کہ تذکرہ کرنا بھی مذاق لگتا، وقت کے ساتھ ساتھ دوستی، محبت بنی تھی وقت کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ فرصت سے

دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متفق ہی تھے۔ تقریباً کوئی ایسا اختلاف نہیں بنے دیتے تھے۔

دونوں اگر ایک دوسرے میں کچھ ناپسند بھی کرتے تھے تو وہ اتنا وقتی اور معمولی ہوتا کہ تذکرہ کرنا بھی مذاق لگتا، وقت کے ساتھ ساتھ دوستی، محبت بنی تھی وقت کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ فرصت سے

دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متفق ہی تھے۔ تقریباً کوئی ایسا اختلاف نہیں بنے دیتے تھے۔

دونوں اگر ایک دوسرے میں کچھ ناپسند بھی کرتے تھے تو وہ اتنا وقتی اور معمولی ہوتا کہ تذکرہ کرنا بھی مذاق لگتا، وقت کے ساتھ ساتھ دوستی، محبت بنی تھی وقت کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھی۔ اگر وہ فرصت سے

دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے متفق ہی تھے۔ تقریباً کوئی ایسا اختلاف نہیں بنے دیتے تھے۔

محبت بھری داستانیں پڑھ لیتے تو ایک دوسرے کو رومیو، ہیر کہہ دیتے۔ کوئی بڑی دقت نہیں تھی ان دونوں کے رشتے میں سب کچھ سمجھا ہوا ہی تھا۔ بھلا تھا، دونوں کے خاندان آپس میں فیملی فرینڈز تھے۔ اب سہمی بننے والے تھے۔

☆ ☆ ☆

ردا اپنی دوست کے پاس اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔ داؤد ادھر ادھر کار میں گھومتا رہتا، شہر کی حدوں سے نکل جاتا۔ قریب کے چھوٹے شہروں سے ہو آتا، اپنے ملک کو وہ اب گھوم پھر کر دیکھ رہا تھا۔ ایک دن واپسی پر اسے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بسا بادل	آمنہ ریاض	500/-
درد دوم	راحت جبین	750/-
زندگی اک روشی	رخسانہ گارعدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ گارعدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	500/-
حیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فازہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فازہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فازہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چو بارے	فازہ افتخار	300/-
عین سے غور	غزالہ عزیز	200/-
دل اُسے دھوڑ لایا	آسیہ رزاقی	350/-

ناول نگار کے لئے کتاب ڈاک نمبر 30/1-30 ہے
 پتہ: عمران ڈائجسٹ - 32، اسلام آباد، پاکستان
 فون نمبر: 32216361

رات ہو گئی وہ بارڈر کی طرف گیا تھا۔ قریب کے چند گاؤں دیکھ کر گیا تھا۔ دن میں یہ سڑکیں سنسان رہتی تھیں۔ اب تو رات ہو چکی تھی۔ چمروہ ایک ہوٹل میں بیٹھا گیا تھا۔ کھانا کھانا چاہنے لگا اور بارہ بجے تک وہیں بیٹھا رہا۔ گھر تک آئے بھی اسے ڈیڑھ گھنٹہ لگی رہی۔ ایک سڑک پر کوئی لائٹ نہیں تھی۔ وہیں سے دور تک سڑک خالی ہی تھی۔ اس وقت وہاں مقامی اکاؤنٹانٹ لوگ ہی ہو سکتے تھے۔ اب وہ بھی نہیں تھے۔ اس نے کار کی رفتار بڑھا دی۔ کار میں تیز رفتاری سے میڈیکل بن رہا تھا۔ جس کی توجاہ باہر کے سٹانے میں پھیل رہی تھی۔ کار کی رفتار بڑھانے جا رہا تھا۔

وہ سی ڈی بدلنے لگا تو سی ڈی ہاتھ سے پھسل کر گر گئی۔ دور صاف سڑک کو دیکھ کر وہ سی ڈی اٹھانے کے لیے جھک کر کوئی چیز اس کی کار سے نکالنے لگا۔ اس کی کار ڈنگا گئی۔ یہ اجانک ہوا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ اس کا دوسرا سامع سامع کرنے لگا۔ کار کی رفتار پختی زیادہ تھی کہ بہت آگے جا کر رکی وہ کار سے باہر نکلا۔

وہ موٹا لیکن خوف زدہ ہو گیا تھا۔ وہ جانتا نہیں تھا کہ ہوا کیا ہے، لیکن وہ ڈر گیا تھا۔ اس کے حواس جھنجھوٹے تھے۔ کار سے پیچھے کی طرف دیکھا۔ دور تو اندھیرا پڑ چلا ہوا تھا۔ وہ پیچھے کی طرف چلنے لگا۔ اسے گھر کے اندر سے میں ڈراؤ ایک گڑبڑا ہوا سڑک پر نظر آیا۔ تیز چل رہا تھا لیکن حقیقتاً "اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو جا رہا تھا۔"

یہ کیفیت اس پر اجانک وارد ہوئی تھی۔ ورنہ کار چلاتے گا ستنے اسے شک بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایسی کچھ دیر بعد وہ خوف زدہ ہو جائے گا۔ ماحول پر اسرار سا ہوا۔ کار میں ایئر کونڈیشننگ نہ تھا۔ "گڈ!" دھبے پر نظر پڑے یہ وہ کپڑا تھا۔ منہ پر ہاتھ رکھا۔ خون تیزی سے سڑک پر پھیل رہا تھا۔ ذرا دور لپڑی کی غمناکی روشنیوں میں سڑک پر پھیل رہا تھا۔ خوں بہت ہی بیک لگ رہا تھا۔ پتہ بتایا جا رہا تھا۔ ایک تیز جھرمی اس کے دھوکے پر آ رہی تھی اسے تین

نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کی کار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اچھی۔ اچھی۔ اس سے ہوا ہے۔ ایک دھوکا کھینے سے ہلا اور وہ دھوکا کھانے کا سوچ رہا تھا۔ بھاگ پڑا۔ کار بھگنے لگا۔ واڈا اور سٹان اکٹلی ڈائیونگ کا شوقین اب بھاگ رہا تھا۔ اس کا مڑا مڑا دھوکا اور سڑک پر پھیلنا خون چھوڑے جا رہا تھا۔ ایک شخص نے وہ گھر تھا۔ کانپ رہا تھا۔ "دیکھا ہوا؟" گاڑی کے کار کو سامنے سے دیکھ کر پوچھا "اس نے گاڑی کی طرف دیکھا۔ جواب نہیں دیا۔" شاور کے نیچے بندہ میں منٹ کراؤ خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ داغ میں سنسانٹ ہو رہی تھی۔

"وہ بھاگا کیوں۔" وہ نہیں جانتا تھا۔ کپڑے بدل کر نیچے آیا۔ ٹھنڈا پانی چاہا۔ وہاں گھاس اس کے ہاتھ سے چھلا اور پھر ٹوٹ گیا وہ گاڑی کیسے آیا۔ "مجھے سے لیکسٹنٹ ہو گیا ہے۔" "لکسٹنٹ کیسے ہوا؟" وہ کبھی رگڑنے لگا۔ "معلوم نہیں۔" "زندہ گاڑی چٹان میں ہے؟" واڈو نے بہت دیر تک گاڑی کی طرف دیکھا۔ وہ اس سے کتنا اچھا سوال کر رہا تھا۔ کتنا اچھا انسان تھا وہ۔ "آپ اسے وہیں چھوڑ آئے؟" گاڑی سمجھ گیا۔ اس کی صورت کی طرف دیکھا۔ حیران ہوا چھپے کمر ہوا۔ آپ سے تو بچ نہیں تھی۔ "زندہ گاڑی آپ نے دیکھا بھی نہیں؟" واڈو نے سرنگنی میں ہلایا۔ "میں حواس کو بچا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہی میری جان نکل گئی۔" وہ ڈیڑھ کی کار کی طرف لپکا۔ "دین کھول چلی۔" گاڑی کے ٹیگٹ کھولا۔

کتنی بڑا بڑا تھا۔ ہتھ کی طرح ڈر کر بھاگ گیا تھا۔ کیا وہ سی ڈی اٹھاؤ؟

سب سے پہلی جگہ واڈو نے ہتھ لگے تھے۔ اب یہاں سے بھی چلے جاؤ، مجھے معلوم کرنے دو۔ کیا حالت ہے اس کی۔ کیا حالات ہیں۔ تم ان معلومات کو میڈل میں کر سکتے۔ مجھے کرنے دو۔ تم جاؤ۔ وہ سکتا ہے۔ ڈرائیور کو بلالو۔ تم خاموش رہنا۔ کار تم میں چلا

سنسان سڑکیں پر بھی رنگ سٹیل پر رتے والا۔ "دیکھو۔" وہ پریشان ہوا۔ "مڑا۔" وہ سختی سے بولے۔ واڈو گھر گیا۔ ڈیڑھ نے کہا یہ پاکستان ہے یہاں معاملات اور طرح سے میڈل کیے جاتے ہیں۔ مام سو رہی تھیں "امیں اٹھا۔" سب بتایا اور ان کی کوشش سر کر رہا کہ سڑک پر کچھ دیر بعد اس کی آنکھ دیکھ نہ کھلی۔

"دیکھا ہوا۔" مام اس کا سر سلانے لگی۔ "میں وہاں سے بھاگ گیا۔" "میں اسے دیکھ کر نہیں۔" کیا جواب دیتیں اس سوال کا۔ "میں واڈو کے آگے پہلے چیک کیا تھا۔ اس کا کتنا تھا کہ اس کا کت خون بہہ چکا تھا۔ اسے بہت دیر لایا گیا۔ اس کا کت بھی نہیں کھتا تھا۔ اس کا زہد پختا بہت مشکل ہے۔ اس میں نہ بھاتا تو وہ وقت پر۔ سڑک پر وہ خون۔ اور۔" "سڑک پر وہ خون۔ اور۔" "مہم ٹھیک نہیں کیا۔" "بہت پر کیا۔ لیکن اب اب تم سوچو۔" "خند نہیں آ رہی۔ آگے بھی نہیں جھے بھاننا نہیں چاہیے تھا۔ کیا میں ایسا تھا بھاننے والا۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔ مہم ایسا ہو گا تو میں یہ کروں گا۔ مام! میں ایسا نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے۔ انسانیت کیا ہے۔ مجھ کے لیے ایسا کیا۔ میں سمجھ نہیں سکتا لیکن میں نے بتا بھی دیا کہ سڑک پر اس پر نظر پڑے۔ مام اگر وہ سڑک سے اسی گڈ آ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ "اگر وہ سڑک۔"

"آرام سے واڈو تمہارے پیٹا ہیں وہاں۔ یہاں آؤ میرے پاس۔" وہ جوتے پہننے لگا۔ مہم کو بلالو۔ وہ جوتے لگا۔ "یاد رہاں میرے لیے ہیں مام۔ مجھے تو اس لڑکی کے لیے چاہا ہے۔"

109 2014 مارچ

”گر وہ مرگئی۔ مرگئی۔“ ہر طرف یہ فحشو کو بچنے لگا۔
یہ ایک سرکاری اسپتال تھا اور تیشن ایجنسی تک جاری تھا اسے دوبارہ آتے دیکھ کر ڈیڑھ گھنٹہ تھا ہو گئے اس نے پرانہ کہ۔ یہ عورت ایک طرف بیٹھی ہاتھ جوڑے دعا کر رہی تھی۔ وہ دونوں لڑکیاں اب بھی بیٹا کاواز دور ہی تھیں۔ چند اور لوگ بھی ان کے قریب کھڑے اور بیٹھے تھے۔
”اگر وہ مرگئی۔“ داؤد نے سوچا تو یہ عورت جو اس کی مال گنتی ہے، کیسے روئے گی۔ ترپ جائے گی اور اس سب کا فائدہ وارو ہو گا۔

داؤد چٹان کے پاس گیا۔ عورت نے نظرس افکار داؤد کی طرف دیکھا۔ اس کی شکل پر حیرانی پیشانی افسردگی انہیں پر تپانے کے لیے کالی نگاہ رکھتی ہے جس نے ان کی بیٹی کو چل دیا ہے۔ ان کے نظر افکار داؤد کی طرف دیکھنے سے داؤد کا اندر تک پیشان کر دیا۔ اس کے سمجھ میں نہیں آیا کہ ان سے کیا کہے بہت جلد کی۔

”میری کار سے۔“ وہ رک کر بکھنے لگا۔
”ان کے کندھے سے لگ کر دوئی ایک لڑکی نے سر افکار اسے دیکھا۔ شے اور کیا جانے والی نظروں سے“ انہوں نے ایک ایک سے لڑکی کے اٹھے سر کو اپنے رخ کیا۔ لڑکی نے سر کو واپس جھکا لیا۔ دونوں نے کچھ بھی نہ کہا۔

ان کا کچھ نہ کہنا ہی داؤد کے لیے بہت بڑا تازیانہ تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دہاں سے نہیں جانے لگا۔ اب کچھ بھی ہو۔ اگر زندہ رہی تو بھی، مر گئی تو بھی اب وہ بھانجے والی غلطی نہیں کرے گا۔



اسی دن شام کو داؤد نے لڑکی کو برائیت اسپتال میں شفٹ کروا دیا۔ وہ آئی یو میں تھی۔ پولیس میں نوکریا تھا۔ خود داؤد اپنی سرمنشی میں خود کی رفتار تھا۔

”جہ میں تو ٹھیک ہی ہوں۔“
”تم نے برا کیا۔“ روانے کہہ دیا۔
”اس سے زیادہ۔“
”ہاں اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اب تم انعام سوچو۔“
”جوشم وہ اسپتال میں ہی رہتا، مریم کے والد دوسرے اسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ ان کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ انہیں مریم کے معمولی ذہنی ہونے کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ داؤد نے مریم کی والدہ سے کہا کہ وہ ان کا علاج بھی مریم کے ہی اسپتال سے کروا رہا ہے۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔
”انہوں نے داؤد کو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ انہاں برا۔ کہہ بھی دیتیں تو مریم کو اپنی فریق پرانے والا نہیں تھا۔ مریم آئی یو میں تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے آجائیں اور پھر اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔ مریم کی ایک بہن ہر وقت وہیں موجود ہوتی۔ ایک ہفتے بعد اسے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ ابھی تک مکمل حواس میں نہیں آئی تھی۔ ہوش میں آتے ہی کراہنے لگتی۔ دوسرے چلانے لگتی۔ نہ ہوش میں ہی یہ سب کر لیتی۔ داؤد کمرے میں ہی ایک طرف بیٹھا ہوتا۔ ایک انگریز ڈاکٹر تھا جو اس کا علاج کر رہا تھا۔
داؤد تکنیکی پائندے مریم کو دیکھتا رہتا۔ اس کے چہرے پر بھی پانچا جو پیش آنی تھیں۔ مگر دن میں کار لگا تھا۔ دونوں انہیں کھنے سے کالی کی تھیں۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی کی رپورس سے ڈاکٹر تشویش میں مبتلا تھے۔ وہ ڈاکٹر سے تو اس کی بہت جلدی چوڑی بات چیت ہوتی۔

مریم کی والدہ کو البتہ وہ صرف چند باتیں ہی بتا تھا۔ جسے سن کر ہی وہ کالی آنکھیں پونچھ لگتیں۔ جب مریم تکلیف سے چلائی اس کا تکلیف نہ چھو اور سارا وجود ہی داؤد کے ساتھ چلتا۔ چہا کہ دیکھیں تمہارا ہی کیا دھرا ہوں۔ دیکھو میں قحطی تکلیف میں ہوں۔

مقدس خاموشی سے ایک طرف بیٹھی رہتی مریم پر پڑا کچھ کہ چھو نہیں مانی۔ کوئی بھی داؤد سے زیادہ

مریم کی والدہ کو البتہ وہ صرف چند باتیں ہی بتا تھا۔ جسے سن کر ہی وہ کالی آنکھیں پونچھ لگتیں۔ جب مریم تکلیف سے چلائی اس کا تکلیف نہ چھو اور سارا وجود ہی داؤد کے ساتھ چلتا۔ چہا کہ دیکھیں تمہارا ہی کیا دھرا ہوں۔ دیکھو میں قحطی تکلیف میں ہوں۔

مقدس خاموشی سے ایک طرف بیٹھی رہتی مریم پر پڑا کچھ کہ چھو نہیں مانی۔ کوئی بھی داؤد سے زیادہ

بات نہیں کرتا تھا۔ شاید وہ اسے سخت پابند کرے تھے۔ ایک بار اس نے خود سے ہی ایسے خطاب کر لیا۔ وہ اپنی کورس کی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ ”کس کلاس میں ہو گئے؟“ اس نے سراٹھایا۔ داؤد کی طرف دیکھا۔ داؤد کو سمجھ نہیں آتی۔ ”تانتہہ میں۔“ وہ مسکرائی تو داؤد بھی مسکرائے لگا۔

”اور یہ۔“ داؤد نے مریم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مقدس سے ایک ذریعہ صلہ پر ہی لگتی تھی۔ ”یہ اسکول میں پڑھاتی ہیں۔“
”تو کچھ ہیں؟“ داؤد نے حیران رہ لیا۔
”جی ہاں۔“ وہ مسکرائی۔ ”میرے قریب ہی اسکول ہے“ وہاں۔
”تمہارے پاس کیسے ہیں آپ؟“
”وہ ویسے ہیں۔“ مقدس کا منہ ازگیا۔ ”پچھلی بار بھی میٹروں ایسے ہی بتا رہے تھے۔“

ایک سروراد پکار تھا۔ ایک دوسرے کمانے والے ہاتھ کو اس نے رد نہ ڈالا تھا۔ انہ۔ داؤد کا سر گھومتا رہتا۔ رات کو وہ کھو رہا پس آجائے اور کاؤنٹر فون کر کے پوچھتا رہتا۔ اس نے مقدس کو بھی ایک فون دے دیا تھا۔ کالی کوئی مسئلہ ہو تو وہ اسے فون کر سکے، صبح اٹھتے ہی اسپتال بھاگتا، دس دن سے اس کی بیروین تھی۔

”وہ بہت اچھا اسپتال ہے۔ داؤد کا تیس روزہ روز جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسٹاف بہ دہاں۔“
”مجھے دہاں جاتے رہا ہے۔“
”اے ہزاروں ایک سیلنٹ روز ہوتے ہیں۔“
”زندگی اسی کا نام ہے۔ لوگ تو بار کھاگ جاتے ہیں۔“
”پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں۔“
”بھائی کاش بھی تھا۔“
”ہم اس کا سترن علاج کروا رہے ہیں۔“
”معالجہ میرا ہو رہا ہے ڈیڈ۔“
”تمہیں اتنا کمر لینی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”یہا۔“
مقدس اسے فون کر رہی تھی۔ اس نے ڈیڈ کی بات

پر کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔

”کنج میلہ پرچہ ہے۔ رشتہ کا بھی۔“

داؤد جلدی سے اسپتال پہنچا۔ انہیں ڈرائیور کے

ساتھ اسکول ڈراپ کروایا اور خود مریم کے پاس گیا۔

وہ اسی انتظار میں تھا۔ کرسی ٹھیک کردہ اس کے بندے

کے قریب لے آیا۔ افرہ صورت لیے اسے دیکھنے

لگا۔ وہ نئے نئے احساسات کا شکار ہر نئے پل ہو ا تھا۔

سوچوں میں گم رہتا کیا ہے کیا سوچتا رہتا۔ اس کی

شکل مقدس سے ملتی تھی اور مقدس بہت پیاری بچی

تھی گہری براؤن آنکھیں اور بال۔ سفید رحمت۔

دراز اور لمبی کمر۔ دھیمی پیاری سی آواز میں بات

کرتی۔ انداز ڈرا ہوا اور ایسا سا نوک۔ مریم میں

مقدس کی طرح ہی دیکھتی تھی۔ گہرے براؤن بال

جنہیں سر پر آئی چوٹ کی وجہ سے کاٹا ہوا تھا۔ کہیں

کہیں سے وہ آدھ کچھ کچھ کھانسی سے چھٹائی

پس ناک۔ ٹھوڑی۔ جابجا زخم تھے۔ ہفتی بھنوں

جن میں سے ایک پر کلو زخم آیا تھا۔ اب شاید ہی وہاں

کبھی بال آتے۔ ہفتی پکوں والی آنکھیں جو بند ہی

رہتیں۔

پہلی بار داؤد نے جب ان آنکھوں کو کھلا دیکھا تو ڈر

گیا۔ ان میں دیکھتے ہی وہ سہم گیا۔ کمرے میں اس کی

دونوں آنکھیں موجود تھیں اور اس کے کمرے پر وہ ڈائلز

کو لٹایا تھا اور جب ڈائلز سے چپک کر تھا تو داؤد ان

آنکھوں کو دیکھ کر تھا تو اچانک ان میں ڈائلز کی اوٹ میں

چھپ رہا تھا۔ مریم کی آنکھوں سے تکلف سے پالی

پہنے لگا۔ مقدس اس کے سر کو سسلانے لگی اور رونے

لگی گئی۔ وہ بندے پر چل رہی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں کو

کمرے سے جانے کے لیے کہا۔ ڈاکٹر اور نرس اسے

چپک کر رہے تھے اور داؤد کیلے گالوں کو دیکھ رہا تھا۔

اسے اس وقت پھر اس سے وہی ڈر لگا جو اس رات اس

سے پلکس اٹھا کر شش تھامے ہاتھ کو دیکھنا اور چہرے

سے اوپر اسے داؤد گڑبڑا گیا۔ پھر ڈائلز کی آڑ میں

چھپ گیا۔

آنکھیں گھٹنے سے وہ پھر ہم غور کیے۔ خند میں چل

گئی۔ ابھی اسے خود نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ

کیا کچھ ہو گیا ہے۔

”میں معلوم ہو گا کہ وہ کتنی مغلوب ہو چکی

ہے۔“ کرسی پر بیٹھا داؤد اس تب کے بارے میں

سوچ رہا تھا۔

”کئی ایمر سو ری لیدی۔“ داؤد نے اپنا ہاتھ اس

کے ہاتھ پر رکھا چاہے جیسے اکثر انتظار کرتے وقت مٹن

میں یا چوڑی کی طرف نظریں گاڑی جاتی ہیں۔ وہ زمین

سے بچے پر سے بھی اور چوڑی سے بھی۔ داؤد نے ہاتھ

پر سے نیچے اٹھایا۔ اتنا ہی کہہ کر وہ ایک ہی انراڑ سے دیر

تک بیٹھا رہا۔ اس کی آنے والی زندگی کا خاکہ بتانے

لگا۔

”کسے چلے گی۔“ اٹھے گی۔ کسے بچے کی اور کیا

کرے گی۔ زندگی اب اس کے لیے کیسی ہو جائے

گی؟“



دو ہفتے ہونے والے تھے روا کے ساتھ اس کی فون

پر بات ہو جاتی تھی۔ کبھی وہ رات گئے آجاتی لیکن

وہ کوئی بات ہی نہیں کر تھا۔ وہ بھی اسے زیادہ متنبہ

نہیں کرتی تھی، کئی کئی بار فون پر مریم کے پاس بھی

آئی تھی۔

”کسے مریم۔“ اس نے فون کیا۔

”کیسی ہے۔“

”ابھی وقت تو لگے گا نالے ٹھیک ہونے میں۔“

اس نے صرف کمراسٹ ہی لیا۔

”تم نے بہت الفز کی ہے اس کے لیے۔“

تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔ سارا سارا دن

اپتال میں رہتے ہو۔“

روا بونٹی رہی وہ دستار پہ فون بند ہو گیا شام کو

خود آئی تھی۔

”ہماری شادی میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔“

”تھوڑی۔“ جیسے اسے یاد آیا کہ اس کی تو

شادی کی ہے۔

اس کا کوئی رد عمل ظاہر نہ کرنا روا کو برا لگا، لیکن ظاہر

نہیں کیا۔

”تھیں۔“ اس نے داؤد کا ہاتھ پکڑا۔ مقدس

دونوں کی طرف دیکھ کر کہہ نہ سکا کہ کیسے ہو گی۔

”کہیں؟“

”ممانے کچھ اپائنٹمنٹس ملی ہیں، دہلی جانا ہے۔“

”تو چلی جاؤ۔“

”میں کیا جاؤں تو چلی جاتی۔ تمہیں بھی ساتھ ہونا

ہے۔“

”تمہیں وقت ملے گا تو میں چلا جاؤں گا تم ایڈجسٹ

ہو گی۔“

”تمہیں کس کیس میں جا سکتے داؤد۔“ روا کی آواز بلند

اسے۔

”تم کو دیکھ سکتی ہو اس لو کی حالت۔ بار بار ہوش میں

آکر رہے ہو ہوش ہو جاتی ہے۔ روز اس کے بہت سے

ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ بہت سے اور مسائل ہیں اس

کے پاس کوئی نہیں ہے اس کے فلاور میں بیمار ہیں۔

درجنی اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ وہ چھوٹی کی بچی رہتی

ہے۔“

”تو اس کی اس حالت کے ذمہ دار کو تو یہیں

بونا جائیے نہ۔“

”شاف ہے یہ سب کرنے کے لیے۔“ روا کا

مزاج بگڑنے لگا۔

”میں یہ سب خود کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو تمہیں سب ساتھ نہیں آ رہے۔“

”ابھی بہت وقت ہے ہمارے پاس۔“ وہ چڑ گیا۔

”وہ وقت بھی نہیں رہے گا اگر تم یہیں بیٹھے

رہو۔“

روا غصے میں چلی گئی۔ اس کے انداز پر داؤد کو فخر

آیا اور دونوں اس سے کوئی بات نہیں کی۔

دونوں بعد رات کو وہ اس کے گھر آئے۔ وہ سو رہا تھا۔

اسے اٹھایا۔

”تم کیا کر رہے ہو داؤد۔ مجھ سے کیوں ناراض

ہیں ناراض نہیں ہوں۔“ ناراض انداز اچانک

اٹھ کر داؤد روم میں جا کر آنکھوں پر پانی مارنے لگا اور

کلاچ پر آکر بیٹھ گیا۔ روا اس کے پیچھے پیچھے ہی تھی وہ

بھی بیٹھ گئی۔

”تم نے مجھ سے نہیں کیا۔ میرا فون نہیں اٹھا

رہے۔“

”مجھے نہیں معلوم یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔“ وہ

جھنجھکیا۔

”تم ایسے کبھی ناراض نہیں ہوئے ہیں دو راتوں

سے سو نہیں سکے۔“

”اور میں راتوں رات سو نہیں سکا۔ کیا تمہیں

معلوم ہے۔“

”ایسے بات نہ کہہ۔ جیسے میں نے کمن سے صرف

ایک چپا کو ڈی کر دیا ہے یا کچھ پنی کو کھل دیا ہے

بس۔“

”تو تم کیا چاہتے ہو ہم سب کیا کریں؟“ انکل نے تم

نے اٹھا کچھ تو کیا ہے۔“ اور کیا چاہتے ہو؟“

”ٹھیک ہے۔“ داؤد نے کہا۔ یہ وہ تب کہا کہ آ تھا۔

جب اسے مزید بات نہیں کوئی ملتی تھی۔

”تم مجھ سے ناراض کیوں ہو؟“

”مجھے اسپتال میں تمہارا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔

تمہیں تو سمجھنا چاہیے کہ میں کیوں ہوں دایں۔“

”میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی

بس۔“

”تمہیں۔“ تم ادا ہو گئی تھیں۔ تمہیں بھی لگتا ہے

کہ بس بہت ہو چکا ہے۔ بہت کرنا داؤد نے۔ اگر اس کی

جگہ تم ہو تیں۔ کیا میں ایسے تمہیں چھوڑ کر چلا

جاتا۔“



میٹھی صبح بخیر



ہر صبح صحت مند رہنا چاہیے۔ صحت مند رہنا چاہیے۔ صحت مند رہنا چاہیے۔

Markaba Laboratories

UAN: 111-152-152

www.markaba.com.pk

کا دھڑکا ہوا جھک جاتا تھا۔

”اب تم اپنا سوچ بچاؤ۔“
روا اسکرچی ضرور لیکن مطمئن نہیں ہوئی۔

”تمہارے پیچھے زکے ہو رہے ہیں؟“
”جھک ہی ہو رہے ہیں بس۔ آپ کو پتا۔ کل ساری رات آپ کی باتیں کرتی رہی ہیں مجھ سے۔“
”مقدس کو پیچھے یاد آگیا تھا۔“
”سکھ۔“ اتنی اہم بات وہ اتنی دیر سے بتا رہی تھی۔

”جی۔“
”کیا باتیں۔“ دونوں سرگوشی کی صورت بول رہے تھے۔ پہلی بار مریم اپنی خینڈے سولی تھی۔
”ابو کی باتیں۔ رشاد صاحب کی۔ میری۔“

”چچا۔“ واؤڈ جانتا چاہتا تھا کہ حادثے سے متعلق کیا بات ہوئی۔
”دو روزی تھیں بہت۔“ کہہ کر مقدس خاموش سی ہو گئی۔

واؤڈ سوچ سکتا تھا کہ وہ کتنا روٹی ہوگی۔ ”بھرت۔“
”روٹے داتے سو گئیں۔“
”سوچا نہیں۔ جو سب ہوا؟“

”سوچا تھا۔ میں نے بتا دیا۔ لہاں نے سمجھا دیا تھا کہ کبھی تلی دینی چاہیے۔ بہت سمجھ دار وہ ہیں۔“
”آئی۔“ مقدس اپنی کتاب دھنسنے لگی۔ شاید کتاب کی آڑ میں اپنے آئس چھپانا چاہتی تھی۔ رو دینے کے قریب ہوئی۔ واؤڈ کا دل چاہا اس کے قریب بیٹھ کر اسے تکی لے لے۔

”میں نے بہت برا کیا تمہاری بہن کے ساتھ۔“

مقدس چوکی۔
”کہاں کہہ رہی تھیں ایسے ہی ہونا تھا، ہو گیا۔ اب الزام نہ مانا شکری ہوگی۔“

”میری وجہ سے ہوا سب۔“
”آپ نہ ہوتے تو کبھی اور ہو تا۔ ہونا ہی تھا۔“

روا نے بے یقینی سے واؤڈ کی طرف دیکھا۔ اسے غصہ آگیا۔ ”مجھ میں اور اس میں فرق ہے واؤڈ۔“
”کیا فرق ہے؟“

روا اور بے یقینی ہو گئی۔ ”تم نہیں جانتے؟“
”کیا تم دونوں انسان نہیں ہو؟“

”انسان تو کروڑوں اور بھی ہیں۔“ روا کی آواز نرم ہو گئی۔ ”فقی تو تعجب کی بات ہے۔“

”جی بات۔“ جھک کہا۔ لاکھوں اپنا ہاں میں دے دیں ان میں اور مریم میں میرے لیے یہ فرق ہے کہ وہ میری وجہ سے وہاں ہے میرے اندر ہے سکھ بڑھتی جارہی ہے اور نہیں اندازہ نہیں ہے میں بحث کرنے کے قریب ہوں۔ جب جب اس کی طرف دیکھتا ہوں، کیسا محسوس کرتا ہوں، بیان نہیں کر سکتا۔“

”وہ سب تمہاری غلطی نہیں تھی۔“
”جی تکی مجھے سب دے رہے ہیں۔ مجھے خود کو بھی یہی تکی دینی چاہیے۔ لیکن دے نہیں سکتا اب۔ میری کار ہوا ہے باتیں کر رہی تھی۔ سنسن سرک دیکھ کر میں نے کار کو جواز نہ دیا۔ سی ڈی اٹھانے کے لیے نیچے چھ کالور کیا یا اسنکس۔ مجھے خرم آتی ہے خود کو یہ کہتے ہوئے کہ صرف میری غلطی نہیں تھی۔ وہ کار کے سامنے آئی، وہ کیوں آئی، وہ سرک پر کیا کر رہی تھی، قصور صرف میرا نہیں ہے اگر اس کی جگہ میں بیڑ ہو تا تو میں سب کا قصور لگاتا۔ سرک بنانے والے اور گاڑی بنانے والے کا بھی۔ میں دونوں ٹائٹل سے مسند رہا جاتا تو شاید ساری دنیا کو لگ لگا دیتا۔ وہ بھڑک اٹھا۔

”تم اپنا سوچ رہے ہو۔“ روا اس کے انداز پر خائف ہوئی۔

”مگر یہ الٹا ہے تو میں آج تک کی سوچ رہا ہوں۔“
”تم مجھ سے محبت نہیں کرتے کیا۔“ وجہ کوئی بھی ہو، شک محبت کی طرف ہی جاتا ہے۔ روا کا انداز شک لیے ہوا تھا۔ واؤڈ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
”کیا بات میں تمہیں یاد نہیں آئی۔“ واؤڈ نے اس

ایں نے کہا۔ کچھ چڑوں سے بچاؤ ممکن نہیں، جیسے موت سے۔
 واؤ کو یہ فلسفہ اچھا لگا اس پر یقین رکھنے والے
 بھی۔
 مریم کی چلیں لرز رہی تھیں۔ وہ ایسے ہی لرزتی
 رہتی تھیں۔ جیسے بند آنکھوں کے پار وہ کسی چیز سے
 تیرا آنا ہو۔

کتاب ایک طرف رکھ کر مقدس نماز پڑھنے لگی۔ وہ
 بیڈ کے تین سامنے رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اچانک
 میں مریم کو دیکھ رہا تھا۔ گرانی ہی سوچوں میں گم تھا کہ
 اس کی آنکھیں کھلی۔
 دوں کی نظریں تین ملیں۔ واؤ نے فوراً نظریں
 چرائیں، اتنی سی دیر میں ہی اس نے اس کی آنکھوں
 میں غم و غصہ دیکھ لیا تھا۔ اسے سمجھ میں آئی کیا
 کرے۔ اٹھ جائے۔ اس کے پاس جا کر حال احوال
 پوچھے یا نظریں چرا کر وہیں بیٹھا رہے۔ مریم نے
 آنکھیں بند کر لی۔ وہ اٹھ کر اس کیسے پاس آیا۔
 ”کیسی ہو مریم۔ درد تو نہیں، میں ڈاکٹر کو بلا
 لاؤں۔“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خود ہی نس کو
 لے آیا۔ اس نے چیک کیا۔ بیڈ سیٹ کیا اور سامرا
 دے کر اسے بٹھایا۔
 ”تھک جائے تو لیٹ جائے۔ بہتر ہے کہ زیادہ سے
 زیادہ ایسے ہی بیٹھے۔“ کہہ کر وہ چل گئی۔ مقدس سے
 مریم نے پانی مانگا۔ گئے میں پڑے اس کے دوپٹے کو
 مقدس نے سر پر اوڑھا دیا وہ ٹیک لگائے آنکھیں
 موندے دراز تھیں۔

اب واؤ کو کیا کرے۔ ایک ہاڑا سے اپنے سر پر رکھا
 نظر اٹے لگے۔ کوئی کام بھی اسے اتنا مشکل نہیں لگتا
 جتنا اس سے بات کرنا اس کا سامنا کرنا لگ رہا تھا۔
 مقدس فون پر مریم کی بات کو لے گئی۔ وہ بھی
 آواز سے مریم باتیں کرنے لگی، جلد ہی تھک جاتی تو
 فون مقدس سے پڑ لیا۔

”میں واؤ ہوں۔“ بہت مشکل سے آواز نکالی بیڈ

کے قریب آنکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر
 دیکھا، آنکھوں میں پھر وہی غصہ۔ غم کی برادری
 آنکھیں۔ افسوس سوگوار۔
 ”میری کار سے آپ کا ایک سیٹ ہوا تھا۔“
 اس نے فوراً ”آنکھیں موندی اور سامرا ایسے لی
 جیسے کہا ہو۔ درد رو جاؤ۔“

اس انداز پر واؤ کی رہی سی بہت بھی جاتی رہی وہ
 کرے سے نقل کیا۔ کار نے کار پر ادھر ادھر کھوٹے لگا۔
 کچھ نہیں آ رہا تھا اس کے لیے کیا کرے۔ اس کے
 لیے کچھ کر کے بھی مغربی تھا۔ انسان کے پاس
 اتنا سب کچھ وہ خود ہی ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں دینا
 دیکھتی تو آنکھیں۔ پاؤں۔ عمل درجو مل
 زندگی نہیں رہتا لیکن مکمل احساس ضرور رہتا ہے۔
 نامکمل درجو سب مکمل کو بھی ادھر اور رہتا ہے۔ انسان
 کے وجود کی کوئی قیمت نہیں اور اگر کوئی ”ایس کو بیٹھ
 تو بے مل سے نہ ہو۔“

اس نے ایک خوش حال زندگی گزار لی تھی۔
 آواز دینے پر ملازم حاضر ہوتے اور ہنسنے کے لیے
 وقت اور لوگ بہت۔ اطوار بہت۔ انداز بہت۔
 زندگی میں بہت رنگ تھے، سب ہی خوش رنگ تھے۔
 فارغ اوقات میں وہ دوستوں کے ساتھ طرح طرح کے
 شعلوں میں مصروف رہتا تھا۔ اچانک سے وہ بدل
 لے والی زندگی نے اسے اور دیر جیت میں ڈال دیا تھا۔
 اس کی زندگی بھی کسی بڑے سامنے کیا چھوٹے سے
 دکھ سے بھی آشکار نہیں ہوئی تھی۔ دنیا کی باخبر ہی اس کی
 زندگی کا حصہ نہیں تھی۔ مریم کا یہ حال دیکھا تو بچہ
 گیا۔ زندہ ملی مریم، اس کی ماں کو کچھ بچے روئے
 دیکھا، پھر بھی صابری پایا نہ۔ کوئی لعن طعن نہ لگا
 شکایت اتنا بڑا سا تو اور اتنی اعلا غرق۔

مریم کو دیکھتے جو رشتے دار آتے اس کی حالت دیکھ
 وہ دم خور جاتے۔ اس کی آئندہ زندگی کا نقشہ برکھتی
 سکا۔ دیکھا تھا۔ مقدس دونوں ناگوں سے مقدس گریز
 کی بڑی کے مسائل لیے اب یہ لڑکی کیا کرے گی؟

اگلے دن وہ اسپتال آیا۔ شام کا وقت تھا۔ مقدس
 اور مریم باتیں کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر دونوں چپ
 کر گئیں۔ اس نے مریم کے کامل احوال پر پوچھا۔ اس نے
 کوئی جواب نہیں دیا۔ مقدس ہی بتانے لگی، وہ ٹیک
 لگے، نیم دراز تھی۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر
 کہا۔

”مجھے ڈیپ چارج ہوتا ہے۔“
 ”آپ کو چند ہفتے اور مریں رہنا ہو گا۔“
 ”اس سے کیا ہو گا۔“ اس کا انداز تنقید تھا، افسرہ صا۔
 ”آپ انڈر چیک اپ ہیں آپ کی ایک یون۔“
 ”مجھے یہاں سے جانا ہے۔“ اس کی آواز نرم ہو گئی۔
 ”جیسے ایسی ہیوٹ ہیوٹ کر دینے لگے گی۔“
 ”آپ۔“ مجھے معاف کر دیں پلیز مریم۔“ یہ اسے
 کہانی تھا۔ بہت نہیں ہو رہی تھی اب یکدم سے کہ
 ”دا۔“ ”میری وجہ سے۔“
 ”ہاں نے کہا۔ آپ مجھے گھر سے نکال کر نہیں
 لے گئے تھے کہ تو مجھے کچل دیں۔“ مقدس نے
 اس کی چٹختی آنکھیں صاف کیں۔
 ”جو کچھ ہوا ہو گیا، مجھے یہاں سے جانا ہے۔“

”آپ کا علاج ہو رہا ہے۔“ واؤ کو اسے چاہا اس کی
 مریم آنکھیں بڑھ کر خود صاف کر دے اس نے
 مریم ایک طرف گرا سی دی اور آنکھیں موند لی۔
 واؤ ناچار اٹھا۔ والا کمر سے بات کی، ابھی وہ نہیں
 جا سکی تھی اس نے کرتا دیا۔
 ”آپ یہاں سے آیا کریں۔“ مجھے اجنبی لوگ اچھے
 نہیں لگتے۔“

یہ بتا کر پھر پورے عرقی تھی، جو اسے مل رہی
 تھی اتنا برا بھلا نہیں جانتا تھا۔
 اسے ایک اور نظر دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اب اسے
 صرف اشفاق سے ہی ملنے پر تھا۔ اس کے گھر سے
 میں نہیں جاتا تھا۔ وہ اس کا ٹیکہ اسپتال میں خالی کر دیا
 رہا تھا۔ اسے وہی آئی کی کرے میں رکھا کیا تھا۔ وہ نہ تو
 سب وہاں آتا تھا۔ بچاؤ نہ توڑ رہا تھا۔ پھر بھی یہ سب
 سب بعد معمولی تھا جو کچھ وہ اس کا چچین کا چکا تھا اس کے

مقابلے میں۔ چند دن پہلے اس نے مریم کی والدہ کو
 پچھنے دینے چاہیے تھے۔ وہ بے چارے اسے دیکھ کر
 رہ گئیں۔
 ”آپ ہماری اتنی بے عرقی مت کرو۔“ واؤ نے
 شرمندگی سے ہاتھ پیچھ لیا۔
 ایک طرف تھاں میں لڑکیاں اور ایک پچہ بے گھر
 کا سر رہا۔ ہمارے ایک دوسرا کمانے والا ہاتھ مقدس
 ہو چکا۔ چھوٹے سے گھر میں بڑے بڑے مسائل کا
 شکار اور آواز سے حیرت مندی۔ ان کی مشکل زندگی کو اس
 نے مشکل ترین بنایا۔
 اس نے سوچا کہ کیا کر رہا ہے۔ صرف پیسہ ہی
 خرچ کر رہا ہے۔ اصل بہت تو وہ بے دھار رہے
 ہیں۔ آخر وہ کیا کھا تے۔ ان کے طاقات وہ ہیں۔
 اسے معاف کر دیا۔ قسمت کا لکھا جان کر صبر کر لیا۔ اتنا
 آسان نہیں ہے یہ سب۔
 نہ چاہتے ہوئے بھی اشفاق سے مریم کی حالت کے
 بارے میں معلومات لے کر وہ کرے میں آیا۔ مریم سو
 رہی تھی۔ مقدس اور رشہ۔ دونوں کتب پڑھ رہی
 تھیں ہاتھ ہلا کر پڑھ لیتا۔

”ڈیپ چارج ہو گئی وہ؟“ واؤ پوچھ رہے تھے آج کل وہ
 گھر کی میں نظر آ رہا تھا۔ مشکل کی وی کے چھینل بدل
 رہا تھا۔ مجھے میں لگ رہا تھا۔
 ”ہی۔“
 ”آپ خود پر توجہ دو۔“ اگلے مہینے تمہاری شادی
 ہے۔“

وہ چھینل ہی بدل رہا۔
 ”کیا راستے کو قسم کیوں ہو گیا جو ہوتا تھا۔“
 ”کہہ رہا جو ہوتا تھا، لیکن فرق تو بڑا نا کہ کسی وہ
 چھینا کر لیا۔“
 ”فرق تو بیسہ رہے گا۔“
 ”سب میری وجہ سے۔“
 ”تم نے لکھا کہ کیا ہے ان کے لیے۔“

”میر بھی مجھے سکون نہیں ملاؤ گا“

”تم کہہ دو“

”مجھ کو ہاؤس ڈیفنس کے اس کی جگہ میں ہوتا۔“

”اگل ہاؤس ڈیفنس“

”آپ کا قہور سے یہ حال ہے اور اس کے مایوس

پر کیا گزری ہوگی۔ لالچ ہو چکا ہے۔“

”تم ان کی مدد

کر سکتے ہو۔“

”وہ نہیں چاہتے اور کوئی اہلحد کہتے ہیں ایسا

ہو نا تھا ہو گیا۔“

”کہہ نہ“ ڈیفنس مسکرائے۔ ”مجھے لوگ ہیں

۔۔۔“

”لیکن میں اچھا نہیں ہوں۔“

”تم ان میں کیونست۔ وقت کے ساتھ سب ٹھیک

ہو جائے گا۔“

”میرے لیے سب ٹھیک ہو جائے گا ان کے لیے

مشکل خاص کر مریم کے لیے۔“

”تم ان سے کہتے رہنا۔ آج نہ خود نہیں لے رہے“

کل لے لیں گے۔“

اس نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔ دونوں نے اسے

تشویش سے دیکھا۔

”میں مریم کو گھبراتا چاہتا ہوں۔“

کمرے میں سنانے کا دھاوا کر ہوا۔ بدتر تک یہی

سنانا تھا یا بد۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دونوں کی طرف باری

پاروی دیکھا۔

”اسے اپنے ہاتھوں کا سارا دینا چاہتا ہوں۔ اس کا

خیال رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے سارے کام کرنا چاہتا

ہوں اس کی تکلیف۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“ ڈیفنس کی دھیمی آواز پناہ دار

ہو گئی۔

”شادی۔“ وہ زور شور لیکن کہہ دیا۔ ”سراٹھائے

انہیں دیکھتے لگے۔

”نہیں سنیں۔“ ڈیفنس کہہ کر اٹھ کر چلے گئے

”تمہارے بہن بھائی آئے ہیں والے ہیں تمہاری

شادی کے لیے۔ جانتے ہو نا تم۔ گھومو پھو۔ خود کو

مصرف کرو گی ایا دل فلی بکس رہے ہو۔“

”ہم بھی کر کر

چلی گئیں۔“

دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ اسے باکل سمجھ کہ جب

یہی باکل حادثہ کر گیا تھا تو دونوں اس کا دل ٹکالنے بیٹھ

گئے تھے۔ اب۔۔۔ مریم کی زندگی کا دل کون نکالے گا

اس نے رو ڈاؤن کیا۔

فون روا کے ہاتھ سے مریم کی اور وہ چکراتے سر کو

تھامے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”الہ۔۔۔“ وہ چلانے لگی۔ ”الہا بھائی! تمہیں۔“

”داؤن مار میرے شادی کرنا چاہتا ہے۔“

روا کے پیچ میں اس شام ان کے گھر تھے۔ رو کا فون

بند تھا۔ روا ڈرائنگ روم آئے دیکھ کر باہر چلا گیا۔

جانتا تھا کہ یہ سب اسے کیا کیا کہیں گے۔ اپنا فون بھی

اس نے بند کر لیا۔ رات گئے واپس آیا تو مایوس ڈیفنس دونوں

ہاں سے انتظار کر رہے تھے۔

”میں بہت شرمندہ ہوا ہوں ان دونوں کے سامنے

۔۔۔“

”میں بھی مریم کو دیکھ دیکھ کر شرمندہ ہوا ہوں۔“

”تمہاری شادی روا سے ہو رہی ہے۔“ وہ ایسے

چلائے جیسے کسی ملازم پر چلا رہے ہوں۔

”رواے ضرور ہوگی۔“ وہ چلے سے ہی بولا۔

”ہو نہ ہو۔ روا نہیں ماننے کی نہ ہی اس کے گھر

والے۔“

”میں اسے متاثر ہو گا۔“

”ہم بھی نہیں مانتے۔ کیا باگل پن ہے یہ سب

دلوں سے بوجھ ہو تو۔“

”مگر یہ بے وقوف ڈیڑھ دھکے سڑک پر تو رہا؟“

”وٹ اپ ڈاؤن۔“

”سب سے میری بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔“

”ہمیں اس کے ساتھ ہمہ روی ہے۔ روا ڈاؤن گھرا ہوا

ہیں بہت ہو گیا۔“

”آپ کو کچھ ہے۔ ہر روزی کرنی چاہیے ڈیفنس۔“

”جسٹ سمٹ کرو۔ ہم اس کے قہور کو اچھی نوکری

دے دیں گے، بلکہ ایسا کرو تمہیں کوئی پرنس سیٹ

کر دو۔“

”یہ شاید ان کے خاندان کے مسائل تو حل

کروں گے۔ لیکن مریم کے نہیں۔ معذوری کے ساتھ

وہ کیسے زندگی گزارے گی؟“

”ہم کسی اچھے لوگ کو حوصلہ دے کر اس کی شادی کروا

دیں گے۔ بہت حل تھے ڈیفنس کیا۔“

”وہ اچھا لڑکائیں کیوں نہیں؟“ داؤد کے پاس سوال

بست تھی۔

”تمہاری شادی روا سے ہو رہی ہے۔ ان کی توازن

باند تہ ہو گئی۔“

”مریم سے بھی ہو جائے گی۔“

”ایسا بھی نہیں ہو گا۔“ ان کا انداز آواز سخت تھا کہ

داؤد کو برا لگا۔

”فون تو ڈیفنس اس سب نے جو ہو رہا ہے مجھے

بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ حقیقت میں سمجھ رہے

ہیں۔ کچھ واضح کیا ہے۔ ایک میرے علم ڈیفنس جو

اس دینے کا کاٹھا ہو کر رہا اور ایک مریم کے قہور

ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ اس سب میں میرا صرف انتہائی

فصوری ہے کہ مریم کے ساتھ یہ سب ہونا ہی تھا تو مجھ

سے تو کیا۔ آپ اس کا سارا بٹنے پر مجھ پر چلا رہے ہیں

اور وہ مریم کو لاپرواہ کر دیتے۔ یہ بھی نہیں چلائے اس

فرق کو سمجھ کر بھی اگر میں بھیجنا تو ٹھیک نہیں ہو گا۔

پچھریں تعلیم یافتہ مذہب داؤد تو حضور ہوں گا لیکن

انسان نہیں۔ آپ یہ نہیں سوچتے کہ اگر وہ بھی ہونے

والی روا ہوئی پھر آپ کیا کہتے؟“

”تمہاری یہ اوٹ خاکہ نہیں۔“ وہ چڑھ گئے۔

”میں سمجھے معلوم کرتا ہے۔ اگر روا ہوتی۔ کسی

کار ایک سیٹ میں روا کا یہ حال ہوتا۔ پھر آپ

میرے لیے کیا تجویز کرتے کہ چھوڑ دو روا کہ ابھی

انہی کے ساتھ کیا زندگی گزارو گے۔ کوئی اور دیکھ لیتے

ہیں جس بھی لوگ کے ساتھ آپ مریم کی شادی کروائیں

کے تاؤ ڈیفنس۔ وہ اسے بوجھ سمجھے گا۔ میرے لیے وہ بوجھ

نہیں ہوگی۔“

”اسے لوگ خود کو سنبھال لیتے ہیں۔“

”میں لوگ ڈیفنس۔ میرا دل بٹنے کے قریب ہے۔“

کیسے لوگ لالچ۔ غریب۔ اور ایسے لوگ۔ اس

نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

”اسے لوگوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔“

امیر لوگ۔ بار کرکھا جانے والے لوگ۔ ایک امیر

لڑکا اسے چل سکا ہے۔ اور بس۔ اپنی ساری باتوں کا

مجھے اب احساس ہو رہا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں نہیں۔

ایک دن آپ بوش میں آئیں اور آپ کو معلوم ہو کہ

اب آپ چل نہیں سکتے۔ چر ہوئی ہڈیوں کے ساتھ

زندگی گزارنا پڑے گی۔ کیا سگے گا پھر۔ دو لوگ اسے

سارا دے کر اٹھاتے۔ بھالتے اور آرام دلواتے

ہیں۔ اس کے کام کرتے ہیں۔ یہ دو لوگ اس کی

زندگی میں کون ہیں۔ اسے اور جوئے گا کہ تک

رہے گا۔ وہ میرے ساتھ رہے گی مجھے معلوم ہو گا کہ

یہ سب میرا کیا ہوا ہے۔ اسے بھی سمجھنا ہے۔“

اس کی ہر تکلیف۔ مجھے۔“

”اس کی شادی کی تیار کی کرو دو۔“ اتنا سب سننے کے

بعد بھی انہوں نے یہی کہا۔

”روا کی پہلی کے ساتھ ہم نے کچھ وعدے کیے

ہیں اب نہیں اور شرمندہ نہ کرنا۔“ وہ لاؤنگ میں بیٹھے

تھے۔ صاف تو مریم سختی ہی رہی ہیں۔ دونوں کو ڈیڑھ

کر گئے تو وہ بھی چلی گئیں۔ داؤد اب اپنے کھلنے کے رات

گئے تھے کھانا میں۔

روا کا فون بہت قند گھر کے کسی فون پر وہ اس سے

بات نہیں کر رہی تھی۔

گھر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ نچانے کیا بد مرگی

ہو جائے۔ شام تک وہ فون پر بات کرنے کے لیے

کوشش کر رہا۔ پھر وہ گھر آیا۔ میدا اس کے

کمرے میں کیا۔

”تم مجھ سے محبت نہیں کرتے کیا؟“ اس کا سوال
 یہی تھا۔ سالانہ سوال۔
 ”تمہیں شک ہے؟“
 ”شک تو نہیں ڈالنا۔“

”میں صرف اس کا سارا بٹنا چاہتا ہوں۔ روا۔“
 ”یہ صرف سارا بٹنا ہے؟“ روا روٹی رہی تھی۔
 لیکن اب ایک مضبوط وکیل کی بیٹی تھی۔ مقدمہ لڑ
 رہی تھی۔

”اور بھی بہت کچھ ہے“ تم جھکتی تو یہ سب نہ
 پوچھتے۔
 ”جو اس سے شادی کا ہی کیوں سوچ رہے ہو۔“
 ”بنا نکاح کے کیا میں اسے باجوں پر اٹھا سکتا
 ہوں۔“

روا کا منہ کھل گیا۔
 ”ہوئے۔ ہر شخص مجھے سمجھا رہا ہے۔ کوئی مجھے نہیں
 سمجھ رہا۔ سب چاہتے ہیں اس پیسے دے دیے
 جائیں۔ آخر میں کیوں نہ آگے بڑھوں۔ کیا اسے
 صرف پیسے کی ضرورت ہے۔ ایک انسان کی؟“
 ”رات دن اس کے ساتھ رہو کہ۔“ روا کا انداز

واڈو اور ان رہ گیا۔
 ”شوٹ اپ روا۔“ وہ ہاراز۔ غصے سے اس کا منہ
 سرخ ہو گیا۔ بہت دیر خاموشی رہی۔ دونوں غصے میں
 تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا انداز بہت برا لگا۔ روا
 نے چاکا کہ وہ کچھ کر چلی جائے اور وہ اٹھ گیا۔ جانے لگی
 تو واڈو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نیو میاں روا۔ میں اپنے کسی افسیر کی بات
 نہیں کر رہا۔ یہ کسی پیسے ہونے لگتی ہے۔ یہ محبت کا
 معاملہ نہیں ہے۔ ہاں انسان ہونے کے ناطے محبت
 ضرور ہے۔“

روا اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بیچہ گئی۔ واڈو
 بہت مضرب نظر آنے لگا تھا۔ چند بیٹے پشتری کی ہوا
 چمک دونوں میں سے غائب ہو چکی تھی۔ اسے واڈو کی
 فکر تھی۔ واڈو کو مریم کی حقیقت میں واڈو کو اپنے ضمیر
 کی فکر تھی۔

”روا۔ سنو۔ میں نے اس جگہ اس بیڈ پر اس
 حالت میں پہلے تجھیں رکھا اور سوچا کہ میں کیا کر سکتا
 اس حالت میں تم ہو جس۔ میں تب بھی یہی کرتا تھا
 میں خود ہی جا لیٹا۔ جاتی ہو کیا ہوا۔ میں نے خود
 سکتے دکھا۔ نامید۔ شقت۔ زندگی سے بے زار۔
 میں نے نام ڈیڑے علاوہ سب کو چھوڑ کر جانے دیکھا۔
 میں نے سب کو سوچا۔ سب کو چھوڑ دیا۔ سب کو
 چھوڑ دیا۔ میں نے سب کچھ بدلنے دیکھا۔ سب
 رنگ۔ سب خوش ہوئے۔ سب کے سارے لفظ
 میں نے اس اذیت میں خود سے پوچھا۔ ”کیا چاہتے ہو؟“
 جواب ملا۔ کوئی ایسا جو مجی نہ بد لے۔ چھوڑ کر
 جانے بھی۔ اپنے ساتھ بیکار آؤ کہ وہ زندگی دے
 سارے دے۔ وہ ساتھ حاصل بنے۔ جو میرے لیے
 سارے رنگ اور خوشیوں میں جانے کوئی ایسا۔ جو
 مجھے میری ہر حالت میں ساتھ لگے۔ رنگے اور وہ ایک
 تم تجھیں۔ صرف تم۔ باقی ماندہ مکمل زندگی۔ میرے
 پاس تم نہیں روا۔ اس کے پاس کون ہے جو میں نے
 خود ہی کیا وہ کوئی اور نہیں کرے گا۔“

”تم صرف میرے ہو۔“ روا نے سب سن کر بھی
 یہی جواب دیا۔ ”ہم دونوں مل کر اس کا خیال رکھیں
 گے۔“ وہ غصہ ہو گیا۔
 ”جب راتوں کو وہ کرے گی۔ اٹھنا بیٹھنا چاہے گی
 تب تم مجھے جانے دو۔ اس کے پاس تم اسے چھوڑ
 ملازم رہنا چاہتی ہو۔ جبکہ ایسے انسان کو ملازموں کی
 ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم ایک گھر میں رہیں گے۔ روا۔
 ورنہ تم دونوں الگ الگ رہ لیتا۔ ہم یہاں پاس ساتھ
 لیں گے۔“

”ایسا بھی نہیں ہو گا۔“
 ”تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟“
 ”محبت کے نام پر میں اتنی بڑی قربانی نہیں
 کر۔“
 ”دونوں انداز۔“
 ”تم اس سے متاثر ہو نا؟“
 ”بہت ہو۔ جب اس نے خدائی حکم پر کچھ
 معاف کر دیا میں نا ہو تا متاثر۔ وہ جو دے سکتی تھی۔“

اس نے دیا جو میں دے سکتا ہوں۔ مجھے تو دینے دو
 کیا میں غلط ہوں۔“
 ”میں میرے ہو۔“ اس کی ایک ہی رٹ تھی۔
 ”تمہارے بغیر میں رہ سکتا روا۔ اس احساس کے
 ساتھ بھی نہیں رہ سکتا۔“
 ”میں تجھیں تقسیم نہیں کر سکتی۔“
 ”روا بھی۔ میں بھی۔ میں سنی کے لیے اپنا آپشن کرنا
 ہی پڑتا ہے۔ ہر وہ کہ کے لیے تجزیہ ہی وہ خود ڈھانڈ کر
 نہیں لاتے۔“
 ”میں انسان کیوں لگتی ہوتے ہیں۔“
 ”جگہ نہیں کیا ہو کیا ہے۔ ایک حادثہ ہی ہے
 یہ تم نے تو اسے سر ہی سوار کیا ہے۔ وقت کے
 ساتھ سب کچھ ہو جاتا ہے۔ اگر تم نہ ہو تو یہ
 سب کوئی اور کر جاتا۔ پھر بھی وہ اپنی زندگی کو زار ہی
 نہ اب دیکھ کر زار ہے گی۔ تم پیسے سے جتنی چاہے ان
 کی بدکردی۔ بلکہ ہمیشہ کرتے رہے گے۔“
 ”پنی پخت
 کے لیے روا۔ دوسروں کے لیے ہے جس ہو گی۔ لیکن وہ
 واڈو اچھے کر چکا۔ روا اس کے پیچھے چلی۔ لیکن وہ
 تیزی سے نکل گیا۔

سب واڈو اور واڈو سب کے ہاتھوں عاجز آیا۔
 شادی کی تاریخ آگے نہ معلوم مدت کے لیے بڑھادی
 گئی۔ باپ سے آنے والوں کو بتا دیا گیا۔ وہ دہی سے
 اسے فون کر کے کہہ جاتے تھے۔
 روا ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اسے روا کے
 ساتھ بھی شادی کرنی تھی اور اب مریم کے ساتھ
 بھی۔ روا سے وہ محبت کرنا تھا اور مریم کو ساتھ رکھنا
 چاہتا تھا۔ وہ مینے کر کے روا کا خیال تھا کہ وہ اپنی ضد
 چھوڑ دے گا۔ لیکن وہ نہیں مانتا۔ وہ واپس نیو یارک
 جا رہی تھی۔

”نہ جاؤ ایسے روا۔“ وہ تکی سے تکی۔ دونوں
 لڑائی میں مکمل رہے تھے۔ اس نے آنے سے پہلے روا
 کی بات لی۔ اب یہی سنے جا رہی تھی۔ اسے دیکھ دیکھ کر
 چنانچہ کام کرنے والے ملازم پریشان ہوئے تھے۔

”تم اگر انسانی خدمت کا دعوت سوار ہے۔ کرلو۔
 مجھ میں اتنی اہمیت نہیں ہے۔ جب بھی آئی میں
 آجاؤں گی۔“
 ”تم مجھ سے محبت کرتی تھیں۔“
 ”میں آج بھی کرنا ہوں۔“
 ”کر تے تو ایسے نہ کرتے۔“
 ”تم مجھ پر اس وقت یہ الزام لگائیں اگر میرا کوئی افسر
 ہو۔“

”فرسے بارے میں بھی کون جانتا ہے۔“
 واڈو کو بہت برا لگا۔ برا تو ان کی نظر اسے بہت کچھ لگ
 رہا تھا۔ یہ بھی سہی۔
 ”میں تو مجھے سیلٹ کرنا چاہیے۔ کہ سے کم
 میں بس نہیں ہوں۔“
 ”تمہاری حساسیت پر میں تجھیں سیلٹ کرتی ہوں
 واڈو۔“ روا کا انداز اور برا ہو گیا۔ واڈو نے غصے سے
 اسے روک کر اپنے سینے سامنے کھڑا کیا۔ ”ٹھیک ہے“
 تم اس کے لیے کوئی میرے جیسا ڈھونڈ سب میں اس
 سے شادی نہیں کرے گا۔ اب تم بھی انتظار کرو۔ اور میں
 بھی کرنا ہوں۔ یہ دونوں مل کر اس کے لیے کوئی خاص
 شخص ڈھونڈتے ہیں۔ کروا کا انتظار۔
 روا نے اس کی طرف دیکھا۔ سر بھی نہیں مایا۔ وہ
 ابھی بھی بائیں کی لگ رہا تھا۔

مصنوعی ناغوں کے لیے واڈو، مریم کو امریکہ لے
 جانا چاہتا تھا۔ پورسور وہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ ان کی
 کل آجکل بھی مریم کے والد بیمار تھے۔ والدہ ان کے
 پاس رہنا چاہتی تھیں۔ خود مریم جانا ہی نہیں چاہتی
 تھی۔ وہ کئی بھی صابر نظر آتی تھی۔ نہ کسی۔ لیکن وہ
 مایوس ہو چکی تھی۔ اپنی منواری کے غم میں مبتلا تھی۔
 اب موت کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے گھر والے
 صرف واڈو کے ساتھ اسے اکٹلا نہیں جیتنا چاہتے
 تھے۔ وہ واڈو کو بار بار گھر آنے سے بھی منع کرتے

تھے۔ ان کی ایسی باتوں پر واڈو کو فٹ کا شکار ہو جاتا۔
 واڈو روا کو لے کر ان کے گھر آ گیا کہ یہ بھی ساتھ جائے
 گی۔ روا بیٹا یارک تو جا ہی رہی تھی۔ اس سے مل کر وہ
 مان گئے۔ واڈو نے بھلاؤ دوڑ کر مریم کے کاغذات
 بنوائے زیادہ لکھوایا۔
 روا اور پورٹ اگلی گئی تھی۔ واڈو مریم کو لے کر
 آیا۔ اس کی وہیل چیترو کو کھیل رہا تھا۔ اپنی پاس نے
 شرٹ بھی بدل نہیں تھی۔ شیو بھی نہیں کی تھی۔ چل
 بھی لیٹھے ہوئے ہی تھے۔ روا ساتھ ساتھ گئی۔ دونوں
 لڑکیاں خاموش تھیں۔ گھر والوں کو خدا حافظ کہتے مریم
 رونے لگی تھی۔ ابھی بھی رو رہی تھی۔ واڈو کو براہ
 راست مخاطب بھی نہ کر لی۔ واڈو اس کی پیٹھ کو دھکیلا
 تو وہ شرمندہ بھی نہ نظر آنے لگتی۔ پیسے اس کی منی ہو رہی
 ہے۔ اس کی بہن ہوئی تو اور بات تھی۔ اتنے سارے
 چلنے پھرنے والے لوگوں میں وہ ایک۔ اس کا چورنگ
 بدل رہا تھا۔ واڈو اسے آگیا۔ شیو ڈر رہا تھا۔ ہر دم
 اس کے ساتھ ہی تھا۔ جبکہ وہ چاتی تھی کہ وہ ذرا اس
 سے پرے ہو جائے۔ لاڈ میں وہ اس کے بالکل ساتھ
 والی چیئر پر بیٹھا تھا۔ بار بار اس کی طرف دیکھتا تھا کہ وہ
 کیسا محسوس کر رہی ہے۔
 روا دونوں کے سامنے بیٹھی تھی۔ مریم کی نظروں
 لاڈ میں جھلک رہی تھیں۔ پچھروہ ایک چیئر پر یک
 گہن۔ چالی برس۔ واڈو اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اپنی وہیل
 لا کر اسے دیکھ کر پھر چلے۔ پھر ایک تلب کے کردی۔
 اس نے دونوں کو دلی کر کے گوش رکھی۔ شاید وہ اس
 کے مطلب کی نہیں تھی۔ وہ اردو میں چند میگزین لے
 آیا۔
 جہاز میں جانے تک۔ سیٹ بیلٹ باندھنے
 تک۔ ایک ایک کام وہ خود کر رہا تھا۔ وہ بار بار مریم کی
 طرف ہی دیکھتا رہتا۔ اس کے چہرے کے تاثرات
 کھو جاتا رہتا۔



مریم اپتال میں ایڈمٹ ہو گئی۔ پہلے اس کے

سب ہی ٹیسٹ نئے سرے سے ہوئے تھے۔ خاص کر
 ریڑھ کی ہڈی کے۔ اس کی ٹانگوں کا سائز آیا۔ پھر
 امین فٹ کر کے دیکھا گیا۔ چیک اپ ہوئے رہے۔
 معنی کی ٹانگوں لاکر اسے کھڑا کیا گیا۔ پھر اسے چند
 قدم کی واک کروائی گئی۔ ابتدا میں معنوی تاخیر فٹ
 ہوئے ہی تکلیف دیتی تھی۔ ڈنڈی بھی ہوتی۔ مریض
 امین لاکر چلنے سے خوف زدہ ہی رہتا ہے اور قدم
 اٹھانے ڈر تا ہے۔ ہزار طرح کے نفسیاتی خوف ہوتے
 ہیں۔ جنہیں دور کرنے کے لیے واڈو مریم کے ساتھ
 تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح اسے ہلاک۔ اٹھا کر آتا
 جس دن اس نے پہلے دو قدم اٹھائے وہ پھوٹ پھوٹ کر
 رونے لگی۔
 لیڈی ڈاکٹر نے اسے سینے سے لگایا۔ اسے تسلی
 دلائے اور حوصلہ افزائی کی ہی ضرورت تھی۔ ایسے
 مریضوں کو ایک مخصوص جگہ پر ٹیس کر دیا جاتا
 ہے۔ یہ مریض کی اپنی دل دہر پر ہوا ہے کہ وہ کب
 تک اور کتنی جلدی چٹنا سیکھ لیتا ہے۔ مریم صرف چند
 قدم ہی اٹھاتی تھی۔ واڈو اس کے ہر اتنے قدم پر سکون
 کا سانس لیتا تھا۔
 مریم ہسپتال میں تھی۔ واڈو ایک دوست کے
 لارٹ منڈ میں رہ رہا تھا اور وہ اپنے فلیٹ میں تھی۔
 اکثر آجاتی تھی مریم کے پاس۔ دونوں میں کوئی خاص
 دوستی نہیں تھی۔ روا اسے پھند نہیں کرتی تھی۔ پھر بھی
 آجاتی تھی۔ واڈو اسے دیکھ کر خوش ہو جاتا تھا۔
 واڈو اسے اجازت لے کر ایک دن واڈو مریم کو روا
 کے فلیٹ میں لے آیا۔ ہسپتال سے نکلی تک وہ
 وہیل چیر پر آئی تھی اور روا کے فلیٹ کے باہر کے چند
 قدم ایک اسٹیک اور اپنی بہت سے چھٹی منزل پر اس کے فلیٹ
 تک۔ اندر جاتے ہی مریم صوفے کی طرف لپکی اور اس پر
 گر سی گئی۔ اس کی پیشانی پر پینے۔ چک رہا تھا واڈو اس
 کی طرف بک نہٹو اسے دیا اور پائی کی بوتل خود اسے ہی
 لیے ہاتھ میں پکڑے رکھتا تھا۔ اسے دی، مریم کالیک
 ہاتھ منفرج تھا وہ لکائی رہتا تھا۔ بائیں ہاتھ سے ہی

خود کو تھوڑا بہت سنبھالتی۔ کئی بار چلنے کی پکٹش میں وہ
 گری تھی۔ واڈو ہر بار ایسے آگے لپکتا جیسے خود کو کر رہی
 ہے۔ بجا رہا ہوتا۔ روا کے سامنے ہی مریم ایسے کر چکی
 تھی۔
 ”جیسی لگ رہی ہے چلتی ہوئی“ مریم سے زیادہ واڈو
 خوش تھا۔
 ”بہت اچھی“ روا مسکرا کر بولی۔ معنوی تاخیر
 کے سارے کڑی مار چلے۔ مریم بہت باریکی تھی۔ سر ہر دو دن
 اوڑھے نظریں۔ جھانے۔ ایک خاص طرز کی جھجک
 اوڑھے۔
 روا کھانا بنانے لگی۔ واڈو نے مریم کے لیے پی ڈی
 تن کر دیا۔ اس کے لیے جیشل سرچ کرنے لگا۔ پھر آکر
 پائی کی مدد کرنے لگا ساتھ ساتھ وہ روا کے ساتھ کچی
 رہا۔ کچا پائیں کر رہا تھا۔ ایسا بہت دنوں بعد ہو رہا تھا جس کا
 مزاج بہت اچھا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ہر دو منٹ بعد
 جھانک کر مریم کو بھی دیکھ آتا۔
 ”بھوک تو نہیں لگ رہی؟“ مریم سے پوچھا اس
 نے انکشاف نہ ہلایا۔
 ”اسے بہت بھوک لگتی ہے ہر وقت اپنے بیک میں
 بٹکت اور پیس رکھتی ہے“ واڈو روا کو بتا رہا
 تھا۔ کھانے میں وقت لگنے والا تھا۔ اپنی واڈو نے نوڈل
 جلدی سے بنا لیے اور تیرے میں رکھ کر اس کے پاس
 لے گیا۔ ایک کشن کو اس کی گوش رکھا اور اپنے
 رکھی رکھا تو قریب ہی شوٹس رکھ دیا۔
 مریم کھانے لگی۔
 واڈو جو اس کے لیے کرتا تھا وہ اس کی مشکور تھی
 لیکن وہ واڈو کو پانچہ کرتی تھی۔ وہ اسے قصور وار سمجھتی
 تھی۔ مہربی کر کے بھیجی تھی۔ لوور کیا کرتی کچھ بھی
 کرنے سے سب پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے پاس
 با۔ باپ نے ہزار طریقے سے تسلی دی تھی لیکن
 حقیقت یہ تھی کہ بھی ایسا ہوتا بھی آتا ہے کہ سب
 نفسے جوئے لگنے لگتے ہیں۔ تسلی والے سب کچھ
 رات رات پھر وہ رو رہی رہتی۔
 اس کے گھر کے حالات پہلے ہی خراب تھے۔ دو سال

پہلے ہی پورے فرائج کا شہرہ حلوہ ہو تھا وہ تو ہمارے بارے
 پھرنے سے بھی گئے وہ نہ کہ چلاتے تھے۔ حالات اتنے
 برے بھی نہیں تھے۔ وہ ایف اے کر چکی تھی۔ مریم
 کی جگہ اگر ان کا کوئی بیٹا ہو تو آکر شہر چلا لیتا۔ مریم کو اس
 بات کا بھی بہت ملال تھا۔ وہ اسکول میں پڑھانے لگی،
 اہل گھر کے ہی لپٹیں، چند میٹروں بعد ابو ٹھیک ہو کر
 چلنے تو لگے لیکن کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ اور پھر اس
 رات ان پر پورے فرائج کا حملہ ہو گیا۔ اہل سب کی زندگیوں
 کا مرض ہی بدل گیا۔ مقدس کو اسکول چھوڑنا پڑا۔ اسے
 ابا اور مریم کو سنبھالنا پڑا۔ وہ صرف بیڈ کے ساتھ ٹیک
 لگا رہی تھی۔ پیٹھ کھینچتی تھی۔ شیو خور والے پیچ پڑھانے لگی،
 دایاں ہاتھ منفرج تھا اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا
 اس میں صرف سنبھالت ہوئی رہتی۔ بائیں ہاتھ سے
 ہی اسے سب کچھ تھا تو نہ ہونے کے برابر ہو گیا۔ وہ
 رات دن رو رہی تھی تو کیا کر سکتا تھا۔ یہاں تکاب زندگی میں
 امید کے لیے۔
 اس سارے وقت میں واڈو نے بہت کوشش کی کہ
 اس سے کچی چھلک بات چیت کر کے اسے جان سکے کہ
 وہ کیا محسوس کرتی ہے کیا چاہتی ہے۔ لیکن وہ کامیابی
 رہا۔ وہ ضرورت کے لیے ہی ہوں بولی کرتی تھی جس
 والاؤں کے سامنے وہ کئی بار بولی تھی۔ وہ بہت
 تکلیف سے گزری رہی تھی۔ واڈو چاہتا تھا کہ روا اس کی
 سے دوستی کر لے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ وہ روا کو
 مجبور نہیں کر سکتا تھا وہ چاہتا تھا کہ مریم کے ساتھ شادی
 کو لے کر روا مریم سے بھی ملے۔ دوستی نہیں کر سکی۔
 کھانا کھا کر وہ لوگ دایاں آگے مریم ہسپتال سے
 ڈیجارج ہونے والی تھی آج کل میں۔ اسے اب
 وہیل چکی کپ کے لیے جاتا تھا۔ ڈوڑ میاں کے دن
 اسے نہیں اور رہتا تھا واڈو نے اسے بات کی اس نے
 ہاں کہہ دیا۔ مریم ڈیجارج ہو کر اس کے فلیٹ میں آئی۔
 واڈو سارا دن گھر میں ہی رہا اس کے لیے کھانا سوپ بنا تا
 رہا۔ وہ اکیلا کروا دیا۔ وہ خودی دوائے تھی پھر چھو
 ایک دو بار ضرور پوچھا۔
 ”دوا ہی مریم تھیں دو دو تھیں۔“ گردن کی طرف۔

بالوں کا وہی قدرتی رنگ
جو آپ نے چاہا

Nice

Very Nice



Beauty Hair
Colour

کیا رنگ ہیں زندگی کے

NATURAL
FACE
Beauty Cream



Manufactured by PSC Laboratories, Pakistan

شولدرز میں۔ سر میں جیسے ہی کہیں درد ہو فوراً مجھے بتانا۔" وہ سر ہلاتی رہتی۔

ڈاؤڈی اس کے لیے مارکٹ سے مخصوص میٹرز لے آیا تھا جو اس کے لیے تجویز کیا گیا تھا اور کاہنہ دوم تو چھوٹا سا تھا اس نے خود ہی لاؤنج میں کھڑکی کے پاس رکھا صرف ہمارا کراس کا میٹرز رکھ دیا۔ "نی دینی" آتش دلاں اور کھڑکی کے پاس ردا کو رداؤ کی ذہانت کی داد دینی پڑی۔

مریم کھڑکی کے بار کو کھینچتی رہتی۔ ساتھ ساتھ ٹی وی میں سکران بھی پڑی۔ ڈاؤڈا سے انٹالین "فریج نہ جانے کیا کیا پا کر کھانا رہتا وہ ایک چچی لینی تو پوچھتا کیا بنا ہے۔ کہہ کر ہنسی ہی ہلاتی اس۔

وہ سب کھا جاتی تو اسے یقین ہو کہ ہاں مزے کا بنا ہے، رات کو سو پڑا نہیں دے کر چلا جاتا۔ ردا کو الگ سے اور مریم کو الگ سے۔

پہلی رات اس نے ردا کو سو بار فون کیا ہو گا۔

"کیا کر رہی ہے وہ؟"

"ٹی وی دیکھ رہی ہے۔"

"تو کچھ کچھ چاہیے تو نہیں۔"

"کچھ چاہیے مریم؟" ردا چلائی۔ "وہ کہہ رہی ہے نہیں۔"

آج وہی رات ہوئی تو پھر فون آیا۔ "سو گئی۔ دیکھنا وہ کراہ تو نہیں رہی۔ ڈاؤڈا کہہ رہے تھے کہ اگر وہ لگا تار چار گھنٹے سو گئی تو تو ہر سکتا ہے درد ہونے لگے شاید درد ہو رہا ہو۔" وہ ابھی جاگ رہا تھا۔

"وہ آرام سے سو رہی ہے ڈاؤڈا تم بھی سو جاؤ۔"

"نیک بے، لیکن تم نڈرا خیال رکھنا۔ ہو سکتا ہے وہ اٹھ کر بیٹھنا چاہے۔ سو باں تو ترس رہی تھی پلیرزم زور کر لیتا۔"

"میں کر لوں گی۔"

صبح ہوئے تو وہ گریبا۔ آتے ہی اس کی طرف لڑکا درد دیکھو کہ بارے میں پوچھا۔ نیک کا پوچھا "ماتھے میں کیا کھانا ہے پوچھا اور جا کر ناشتا بنانے لگا۔ ردا اسے دانتوں تک لے گئی تھی۔ وہ زیادہ نہیں چلتی تھی

تجلی ہی نہیں سکتی تھی ابھی اسے گردوں کی وجہ سے وہیل چیئر پر ہی رہنا تھا۔ مصنوعی فلنگ بریس پر لیٹر ہر گرتی تھی اسے وہیل چیئر بھلتا ہے اور اس کے باہر اسے تکے روایاں کر دیتی۔ مریم شرمندہ عشرت نظر آتی تھی گھر کا تو روز کا کام سنبھالنے سے جلد سے گرتا تھا۔

ڈاؤڈا نے اس کے سامنے ناشتا رکھ دیا اور ردا نہیں پڑھنے کر کھانے لگے۔

ردا ریفریجریٹنگ کورس کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے چکی تھی چند دن تھے کا رسا اشارت ہوئے ہیں، ویسے وہ نیو یارک میں اپنے فرینڈز کے ساتھ محو تھی رہتی تھی لیکن اب ڈاؤڈی وجہ سے وہ گھر میں ہی تھی ڈاؤڈا اور ہری ایک طرف بیٹھنا ٹاپ کر ڈا کر رہا تھا ایک کوئی کتاب پڑھتا رہتا نظریں ٹھہرا کر مریم دیکھتا رہتا مریم کھڑکی کے باہر جھانکتی رہتی۔

رات گئے ردا مریم کو دیکھنے کے لیے آتی تو اسے کہہ دیتے دیکھا وہ ایک ساتھ سے نیچے کو اپنے پیچھے جمے کی کوشش کر رہی تھی۔ ردا نے بڑھ کر تھکے سیٹ کر دیا۔

"ردو تھا تو میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ٹھیک ہو جائے ابھی۔"

"ڈاؤڈا کو تامل اس نے کہا تھا فوراً "بتا دوں؟"

"نہیں۔ نہیں۔ فوراً" آجائیں گے معقول درد ہے۔ چلا جائے گا۔"

ردا وہیں صوفے پر لیٹ گئی۔ "بیٹھا ہو تو مجھے تو دنا کیسے بیٹ کر دوں گی۔"

"لینے لینے ردا سو گئی آنکھ کھلی تو دیکھا مریم بھی سو گئی تھی خود سے ہی تھکے بیٹ کر کہے وہ پھر سو گئی۔ زور دیا آواز سے آنکھ کھلی پڑنا کرا بھی۔ مریم وہاں نہیں دانتوں کی طرف لپکی سو باں پوچھا تو وہ دانتوں سے گری ہوئی تھی دواؤں کے ساتھ نیک کے ہاں رہنے تھی منہ سے خون نکل رہا تھا۔ ردا کو بے طرح ترس

پہلی بار۔

”نہ کیا ہوا مجھے اکیلا نہیں؟“

دنک، جوڑے اس کے سارے وہ خودی واں

روم آگئی کیاؤں بھلا تو خود کو سنبھل نہیں سکی۔ روا

اسے چپڑہ بٹھا کر واپس لائی سوئے پر بٹھایا۔ اس کی

کمر میں درد ہو رہا تھا کرنے۔

”انبا کیوں نہیں مجھے“ روا شرمندہ ہو گئی۔

مریم بھی شرمندی نظر آ رہی تھی شاید وہ اسے

تکلیف دینا پس چاہتی تھی روا نے اس کے ہونٹ

صاف کیے۔

ایک رات روا نے اسے کبھی آنکھیں صاف کرتے

دیکھا وہ کھنکی کے پار دیکھ رہی تھی داؤڈ جاچکا تھا۔ ”کیا

ہو گیا؟“ وہ کبھی اسے نہیں درد ہو رہا ہے اس نے

مفتائی سے آنکھیں صاف کی۔ ”میں ٹھیک ہوں۔“

”کیا ہوا چاؤ مجھے تم درد ہی ہو۔“ مریم اس کے

قرب آ کر بیٹھ گئی۔ ”بھلا ہاں میں نے کوئی کپڑا

ڈنٹا پتھر کی طرف اشارہ کیا۔“ مریم اوپاں کو اپنے چاہ

رہا ہے۔ روزی کرتا ہے۔ آج بھی۔“ ”مریم کسے اسے

دہل چپڑہ ٹھیک کیا اور اس کے کندہ کرنے کے بعد یادو

اسے نیچے لے آئی اسے پیچ پر بٹھایا۔ وہ بچوں کی طرح

خوش ہوئی۔

”یہ بات تم سے کہہ دو کہ میں“

”میں کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ آپ کو

بالکل بھی نہیں۔“

روا کو وحشت نے آگے راہ اس فٹ پاتھ سے

ہزاروں بار گزری تھی راک کھڑی تھی اس سڑک

پر۔ جب جی چاہے آجانی تھی یہ خوش نصیبی ہوتی

ہے اور مریم کی طرح ترستے رہتا کہ کوئی لے جائے۔

یہ؟ نہ جانے کب سے اس کے اندر یہ خواہش ابلی

ہوئی تھی۔ روا کی وحشت بڑھنے لگی۔

چند ہفتوں کے دھکی چیک اس سڑک کے کنارے رکھے

جائے گئے واپس تو مریم اس سڑک کے کنارے رکھے

ایک چکر بٹھکی میں کھڑی تھی جس پر پہلی بار اسے

روا نے رکھ کر لٹی تھی۔ وہ اور داؤڈ اک کر رہے تھے چند

گھنٹوں بعد ان کی ملاقات تھی۔

”تم نے کہا تھا داؤڈ اگر اس حادثے نے تمہارے

انداز بہت کچھ بدل دیا ہے۔“ وہ داؤڈ سے پوچھ رہی

تھی۔

”کچھ بہت کچھ بدل دیا۔“

”یہ جو پتے مریم میرے ساتھ رہی ہے میں اس

نے مجھے بہت کچھ میرے اندر بدل دیا ہے۔ میری ابھی

بھی اس سے زیادہ بچہ دہی تھی میں سے مجھے فکر

ہند بھی نہیں ہے لیکن مجھے اس پر ترس بہت اس

اسے دیکھ دیکھ کر وحشت ہونے لگتی اس ہفتوں میں

اسے سنبھالتے سنبھالتے مجھے ہانڈ سا بوجھ لگنے لگی۔

یو داؤڈ اسے اس طرح کون سنبھال سکتا ہے۔ وہ

اس سے محبت کرتا ہو۔ اسے وہ ہانڈ نہیں لگے گی۔“

”مجھے سنبھالنے میں اس کے لیے کوئی ایسا صوبہ نہیں

جو اسے سنبھال سکے سنبھالنے کے لگا کے تو داؤڈ ایسا

فحش ملا تو ہے لیکن میں اتنی عقیم نہیں ہوں گی اس کا

ہاتھ لے سکوں دل سے۔ ہاں لیکن ترس کھاتے ہوئے

میں اس کا ہاتھ لے سکتی ہوں۔ صرف تم ہی ہو سکتے ہو

داؤڈ صرف تم۔“ روا کا صوبہ ہی درد کی دوا ہے۔ تم

ہی اس کی شفا ہو۔ اس کے اندر روا نے مجھے یہ سنبھالی

تم جان جاتے ہو کہ اسے درد ہوئے والا ہے۔ تم سے

زیادہ اس کا خیال نہیں رکھ سکتا۔“

”تو تم نہ کیوں“ داؤڈ نے خوشی سے اس کا ہاتھ

چھوا۔

”ہاں! تم اس کے ساتھ شادی کرو۔ لیکن میں نے

تمہیں اس کا تھا کہ مجھے اتنی اچھی نہیں لگتی کہ اس کے

ساتھ رہ سکوں۔ شاید تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھ سے

محبت کرتے ہو لیکن اس محبت کے درمیان“ کے

پچھے“ مریم کا خیال اتنی بری طرح سے جلائی ہے کہ وہ

اس محبت کو گھل جائے گا۔“

”میں تم سے محبت کرتا ہوں روا۔“ داؤڈ بچہ

ہو گیا۔

”جی ہاں ہو گیا۔“ روا تلخی سے نہیں۔ ”چلنے“

داؤڈ! تم میری ہتھ ڈے بھول گئے۔ تم نے جب بھی

مجھے فون کیا مریم کی ہی باتیں کی۔ تم مجھ سے بے بسی

میں مجھ کے لیے۔ تم اس کی تکلیف کو کم کرنے

کے لیے اتنی بری طرح سے مصروف ہو کہ تم مجھے

بھول گئے۔ تم نے ایک بار مجھے سلوٹ کرنے کے لیے

کہا تھا اور میں نے طرز کیا تھا۔ لیکن میں اب تمہیں

سلوٹ کرتی ہوں۔ تم درد سے تو اب بھی کھل کی سنے

تم نے مجھے سچا ہو کے میں سوچ بھی نہیں سکتی

”جی۔“

”یہ امت ہے گورو“ داؤڈ کو ہوا۔ ”ہر انسان کو

محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”لیکن مریم کو اس محبت سے بھی زیادہ کی ضرورت

ہے۔“

”ہم مل کر وہ لیں گے روا۔ مجھے یقین ہے۔“ داؤڈ

اسے یقین دلانا تھا۔

”مجھے یقین نہیں ہے۔ مجھے شک ہے۔“ روا نے

صاف گوئی سے کہا۔ ”جی بہت نہیں ہے۔ مجھ میں کہ

مریم کو تمہارے ساتھ دیکھ لوں جب جب تم رات کے

اس کے لیے مجھے فون کرتے تھے میں کھول جاتی تھی

ابھی مجھیں لگتا ہے کہ ہم ساتھ رہیں گے۔“

”ہاں مجھے یقین ہے روا۔ تم کو خوش تو ہے۔“ مریم

کے ساتھ کبھی نہ ہوئی رہیں گے۔ ہمارے تکلیف کا

باعث نہیں ہے گی۔“ روا نے اڑتے ہاتھ کو ایک ہاتھ

سے روکتی اور اسی ہاتھ سے چپڑ کھائی مریم کی طرف

دیکھا۔ ”بہت بھاری لگ رہی تھی اب اس پر ترس

نہیں آتا تھا۔ وہ سکرا رہی تھی اور یہ مسکرا ہوا ہے

داؤڈ نے وہی تھی“ اگر داؤڈ نہ ہو تو تو مجھے پھر اس کا کیا

ہو گا روا کر داؤڈ اس کی زندگی سے چلا جائے گا۔“

”جس میں مجھے تمہارے یقین پر یقین آیا داؤڈ میں

آجائوں گی ابھی تو مجھے مریم پسند نہیں۔“ وہ ہنس دی۔

”میں جانتا ہوں تم ضرور تو گئی۔“

”اس کی آہ پر تم رو ڈھٹے چلے جاتے ہو داؤڈ اس

فان اس نے محبت کے لیے پکار کی۔ تم کہاں پیچھے رہو

کے۔“

ان کا جواز ٹیک آف کر گیا تو روا نے اللہ واں

کلمات ادا کیے۔

”اس کے خیال میں سہلے تم اس کی محبت میں رج

جس جاؤ گے۔“

”اس کے سچا تم ہی ہو۔“

☆

مشہور مزاح نگار داؤڈ

انشاء جی کی خوبصورت تحریروں،

کارٹونوں سے مزین

آئٹم لطاعت و مضبوط جلد، خوبصورت گروپش

کتاب کا نام

قیمت

450/-

450/-

450/-

275/-

225/-

225/-

300/-

225/-

225/-

300/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

225/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی